Fikr-o-Nasar (Islamabad) 25:1 (1987)

نظم قرآن : تاریخ و تحقیق

احمد اقبال قاسمی

قرآن پاک، علوم و معارف کا بحر بیکراں اور علم و حکمت کا ایسا خزانہ ہے جس کے موتی کبھی شمار نہیں کئے جا سکتے ایک جہت سے وہ ایک سادہ سی کتاب ھدایت ہے جو انسانی زندگی کیلئے ایک جامع نظام پیش کرتی ہے اور زندگی کے ہر شعبہ اور ہر علم سے بحث کرتی ہے مگر وہ رائج الوقت تقسیم علوم کے مطابق کسی خاص موضوع اور جزوی علم کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ اس علم ھدایت کا مرقع ہے جو تمام علوم اور انسانی قافلہ ھائے افکار کو عدل اور صراط مستقیم پر قائم رکھتا ہے وہ ایسا خوان کرم ہے جس کی نعمتیں کبھی کم نہیں ہو سکتیں اور ایسا چشمہ حیات ہے جس کے سوتے کبھی خشک نہیں ھوتے جتنی بار اسے تدبر اور فکر سے پڑھا جائے رموز و عجائب اور لطائف کا اکتشاف ھوتا رھتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ھوا کہ ,, علماء کی طبیعت اس سے سیر نہیں ھوتی اور کثرت تلاوۃ سے پرانا نہیں ھوتا اور اس کے عجائب نہ ختم ھونے والے ھیں (۱) ۔

پھر ایک دوسری جہت سے غور کیا جائے تو یہ دنیا کی بہترین ادبی کتاب ہے اس کا بالکل یگانہ نیا اور منفرد اسلوب ہے جس کی کوئی نظیر ہے اور نہ مثیل- یہ اللہ کی کتاب ہے اور اس کے علم سے اتری ہے جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی صفات علم میں یکتا ہے اس کی

کتاب کا اسلوب بھی یگانہ ہے ہم اسے الٰہی ادب کا عنوان دے سکتے ہیں ۔ انسانی تصانیف میں ہر علم کا اسلوب نگارش جدا جدا ہوتا ہے۔ افسانہ نگاری اور تاریخ نویسی کا اسلوب مواعظ و حکم سے مختلف ہوتا ہے۔قانونی دساتیر کا انداز بیاں، ماوراء طبیعات کے مباحث سے یکسر علیحدہ ہوتا ہے۔غرض ہر علم و ادب اپنا امتیازی اور جداگانہ طرز بیاں رکھتا ہے۔قرآن حکیم میں احکام اور شرائع بھی ہیں اخلاقی اور معاشرتی تعلیمات بھی ، امثال اور خطب بھی ، مواعظ اور تاریخ بھی،معلومات غیبی بھی ہیں اور ابدی حقائق بھی مگر قرآن ان سب ہی اصناف علوم کو ایک کل قرار دے کر گفتگو کرتا ہے اور زبان و ادب کا ایسا اسلوب اختیار کرتا ہے جو موضوعات کے اختلاف کے باوجود ایک سی یکسانیت رکھتا ہے اور کسی مرحلہ پر اس کی سحر طرازی،جاذبیت اور اثر آفرینی میں کمی واقع نہیں ہوتی ۔

اللہ تعالی نے امت مسلمہ کو جو سب سے بڑا تحفہ اور عظیم عطیہ بخشا ہے وہ قرآن حکیم ہے ۔ اس عطیہ ربانی کے ساتھ جو خاص لگاؤ،محبت اور عشق کا مظاہرہ اس امت نے کیا ہے دنیا کی کسی قوم میں اس کی مثال نہیں ملتی ۔ قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت، مطالب کی وسعت اس کے موضوعات کی گونا گونی، دین اور فن کے حسین امتزاج اور دل آویز پیکر نے ہر عہد کے علماء اور فضلاء کے احساسات کو ابھارا اور انہوں نے اس ابدی کتاب میں مخفی خزانوں سے پردہ ہٹانے کی کوشش کی ہے . ۔ قرون اولی سے لیکر دور حاضر تک ان گنت کتابیں قرآنی علوم و معارف پر لکھی گئی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں۔کسی نے لغات،لہجات اور مخارج حروف پر لکھا ، کسی نے نحوی و صرفی خوبیوں اور صنائع و بدائع کو اپنا موضوع بنایا کسی نے اصول دین، احکام اور قصص مرتب کر ڈالے ، کسی نے اقسام، امثال اور تصویر فنی پر خامہ فرسائی کی اور کسی نے فصاحت اور

بلاغت کے محاسن اور مخفی گوشوں کو اجاگر کیا ۔ غرض قرآن حکیم کے معانی، مطالب اور ادبی پہلوؤں کا کوئی ایسا گوشہ نہ رہا جس پر قابل قدر لٹریچر تیار نہ کر لیا گیا ہو۔

علوم قرآن کے ان موضوعات میں اعجاز بیان کو نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ اگرچہ اعجاز بیان قرآن پاک کی غایت نہیں ہے بلکہ کلام الہی کا لازمی وصف ہے۔ اس اعجاز کے بیش بہا جلی اور خفی الوان ہیں جنکا ہر پہلو اپنا الگ رنگ اور جدا حسن رکھتا ہے ان میں سے ایک دلکش اور دقیق اعجاز قرآن کے اسلوب میں نظم کا اعجاز ہے۔ اهل فن اسے ایک مستقل علم کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں جسے وہ علم مناسبة سے تعبیر کرتے ہیں ۔ زیرنظر مضمون میں اس علم کا تعارف ، ضرورت اور اهمیت پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ واللہ المستعان .

علم مناسبة :

مناسبت کے لغوی معنی مقاربت اور مشاکلت کے ہیں۔اصطلاح میں اس سے مراد وہ علم ہے جو قرآن حکیم کی آیات اور سورتوں کی ترتیب میں نظم اور ان میں باهمی ربط و تعلق کی نوعیت اور حکمت سے بحث کرتا ہے (۲) ۔ اس علم کی ضرورت اس حقیقت کے پیش نظر بڑھ جاتی ہے کہ مصحف کی موجودہ ترتیب نزولی نہیں بلکہ توقیفی ہے اس لئے آیات اور سورتوں میں نظم اور ارتباط کا سمجھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں مناسبات اور روابط کبھی جلی ہوتے ہیں کبھی خفی اور کبھی اخفی ۔ پھر آیات میں باهمی جلی ربط زیادہ ہوتے ہیں اور خفی ربط کے مواقع کم ہوتے ہیں جبکہ سورتوں کے مابین جلی ربط شاذ ہوتا ہے (۳) ۔ سورتوں کے داخلی نظم میں زیادہ تر ایک مرکزی موضوع کو نمایاں حیثیت حاصل ہوتی ہے پھر جزئیات اور تفصیلات اس کے ساتھ مربوط اور متصل ہوتی ہیں ۔

جزئیات میں نظم و ارتباط کی صورت کبھی یہ ہوتی ہے کہ بات ایک آیت سے مکمل نہیں ہوتی تو دوسری آیت سابقہ مضمون کی تکمیل، تفسیر یا بیان حصر اور استثناء کیلئے آتی ہے یا دوسری آیت تعلیل یا استدراک کیلئے ہوتی ہے اور کبھی نظائر، امثال اور تشبیہ یا تکرار کے قبیل سے ہوتی ہے اسی طرح ارتباط کی نوعیت کبھی مقابلہ اور مضادات کی ہوتی ہے جیسے صفات مومنین کے بعد صفات مشرکین، آیات ترغیب کے بعد آیات ترهیب، آیات کونیہ کے بعد آیات توحید و تنزیہ بعض جگہ استطراد یا حسن تخلص کی صورت سامنے آتی ہے (۴) ۔ کبھی پہلے عقل سے اپیل کی جاتی ہے اور پھر دل کو متوجہ کیا جاتا ہے اور احکام کے بیان کے بعد پند و موعظت کا درس دیا جاتا ہے ۔ غرض جب کوئی آیت کسی دوسری آیت کے ساتھ ملائی جاتی ہے تو اس میں گوناگوں مناسبتیں ہوتی ہیں اور ہر ترکیب اور ترتیب اپنے اندر نظم کا ایک نیا جلوہ اور حسن و جمال کا نیا رنگ رکھتی ہے سورتوں کے تمام مضامین اپنے مرکزی موضوع سے منسلک ہوتے ہیں، فواتح سور اور ان کے خواتم کے مابین بھی ربط ہوتا ہے۔ ان تمام وجوہ مناسبات کی معرفت سے قرآن حکیم کے اعجاز، بلاغت، معانی، نظم کلام اور عظمت اسلوب کا صحیح فہم اور شعور حاصل ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کا اسلوب بیان عرب قدیم کے نہج سے مطابقت رکھتا ہے۔ قدماء عرب اپنے کلام میں ادباء متأخرین کی طرح کا نظم اور تسلسل ملحوظ نہ رکھتے تھے (۵) ۔ وہ حذف، ایجاز اور اختصار کو اپنے کلام کی خوبی سمجھتے تھے ۔ مفرد مضمون اور مستقل کلام کا طریقہ ان کے یہاں عام تھا ۔ جزئیات کے بیان میں معنی خیز اشاروں سے کام لیتے اور ایماء کو تفصیل اور صراحت پر ترجیح دیتے تھے تاکہ تحییل ، مطلوبہ اثر خود حاصل کر لے ۔ قرآن کریم کا طرز نگارش اسی نہج کا مظہر ہے اور ایسا ہونا طبعی اور فطری تھا،

اسی لئے اللہ تعالی نے تمام پیغمبروں کو ان کی اپنی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا جو عین مصلحت اور حکمت کے مطابق تھا۔

فکر نظم کا ارتقاء :

شروع میں قرآنی مباحث بڑی حد تک تفسیری احادیث،آثار اور اقوال صحابہ تک محدود تھیں جو فقھی احکام اور اسباب نزول سے متعلق ہوا کرتی تھیں. بعد میں ان کا دائرہ وسیع ہوا اور لغت اور معانی پر گفتگو ہونے لگی۔ اسی طرح قصص قرآنی کی تشریح کے سلسلہ میں اسرائیلی مرویات بھی تفسیری ذخیرے کا حصہ بنیں۔

بنو امیہ کے عہد میں جو کتب تصنیف ہوئیں ان میں نقل پر اعتماد نمایاں تھا، بنو عباس کے عروج کے ساتھ عرب و عجم کے اختلاط میں اضافہ ہوا تو مختلف ثقافتوں سے عربی فکر متاثر ہوئی اور ادباء میں وسعت نظر اور عقلیت پسندی کا رجحان پیدا ہوا۔اسی طرح اہل تفسیر بھی قرآن حکیم کے ادبی جمال، بیانی اور معنوی محاسن کو اجاگر کرنے کی طرف متوجہ ہوئے اور تفسیری کتب کی تصنیف کا انداز بدلا ۔

شیخ حفنی محمد شریف کے بیان کے مطابق ابو عبیدہ معمر ابن المثنی ۲۰۹ھ کی مجاز القرآن پہلی کتاب ہے جس نے فن تفسیر میں بیانی اور ادبی بحثوں کا دروازہ کھولا۔ جبکہ ابن ندیم وراق نے اس ضمن میں شیخ قطرب (اصمعی) کی کتاب کو پہلی تصنیف قرار دیا ہے جسے شیخ نے بعض قرآنی آیات کے مابین تعارض اور تناقص کے اشکالات دور کرنے کیلئے لکھا تھا۔ اسی عہد کی ایک اور شخصیت فراء دیلمی ۲۰۷ھ نے تفسیر معانی القرآن لکھ کر بیان اور وجوہ نظم کے ان مباحث کی لغوی جہت سے تکمیل کی، جس کا آغاز ابو عبیدہ نے کیا تھا (٦) ۔ فراء دیلمی کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے مکمل تفسیر قرآن لکھی (٧) ۔

تیسری صدی ھجری کے اوائل میں معتزلہ کے ایک امام ابراھیم نظام ۲۲۳ھ نے اعجاز قرآن کی بحث میں دلیل صرفہ پیش کی جس کی تردید میں اس کے شاگرد جاحظ نے نظم القرآن لکھی (۸) اور قرآن کے اسلوب بلاغت کو معجزہ قرار دیا غالباً جاحظ پہلے ادیب ھیں جنھوں نے قرآن کے بلاغی اعجاز پر کتاب لکھی (۹) اس کی تائید میں اور ادیبوں نے بھی قلم اٹھایا، محمد ابن اسحق ندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں ایسی دو کتب کا ذکر کیا ہے ایک کتاب نظم القرآن مصنفہ ابن الاخشیه اور دوسری کتاب نظم القرآن مصنفہ ابو علی الحسن بن علی بن نصر (۱۰) مگر اسی موضوع پر جس کتاب کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ھوئی وہ ابن قتیبه ۲۸٦ ھ کی تاویل مشکل القرآن (۱۱) ہے۔ ان تصانیف سے قرآن حکیم کے بیانی اعجاز کے دلائل میں بڑا اضافه ھوا اور اس موضوع پر تالیفات کا ایک سلسله قائم ھو گیا یه وہ زمانه تھا جب علوم کی فن واری تقسیم کے خطوط اپنا نقش جما رھی تھی اور دوسرے علوم کی طرح قرآنی علوم میں بھی مختلف موضوعات پر تصنیف وتالیف کا رجحان بڑھا ۔

چوتھی صدی ھجری کے آغاز میں محمد بن یزید الواسطی ۳۰۷ھ نے اعجاز کے مستقل عنوان سے اپنی کتاب ,, اعجاز القرآن،، پیش کی جو غالباً جاحظ کی کتاب نظم القرآن کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی تھی (۱۲) ۔ اس تصنیف کے بعد یه فکر عام ھوا که قرآن حکیم کا اصل اعجاز اس کے نظم اور اسلوب بلاغت میں ہے ۔ الواسطی کے بعد ابوالحسن علی بن عیسی الرمانی ۳۷۴ھ کی کتاب ,,النکت فی اعجاز القرآن،، سامنے آئی جس میں بلاغی اصولوں کو تفصیل سے پیش کیا گیا اور قرآنی آیات کی مثالوں سے اعجاز بلاغت کو ثابت کیا رمانی نے بلاغی اصولوں میں تاثیر نفوسی کے نکته کا اضافه کیا اور اسے بلاغت قرآن کا اھم نکته قرار دیا (۱۳) ۔

تیسری صدی ھجری کے آخر تک جو کتابیں معرض وجود میں آئیں ان میں اعجاز کی بحث ایک خاص نہج سے آگے نہیں بڑھی تھی ۔ قدیم عربی زبان و ادب میں تنقید کی کچھ حدود تھیں ۔ ان کے مطابق کسی تصنیفی کام کے فنی محاسن جانچنے کیلئے ہر جزو کا جداگانہ تجزیہ کیا جاتا تھا اور تحسین کلام کل کی وساطت سے نہیں جزو کی روشنی میں کی جاتی تھی ۔ قرآن حکیم کے اعجاز بلاغت کے اثبات کیلئے جوکتب لکھی گئیں ان میں بھی یہی انداز غالب رہا مگر زبان و ادب کی قدریں بدلتی رہتی ھیں ، اسلوب اور طریق تعبیر ھر دور میں یکساں نہیں رہتا ، فصاحت و بلاغت کے سانچے بگڑتے اور سنورتے رہتے ھیں،البتہ ھر زبان کے ادب کی کچھ بنیادی قدریں ھوتی ھیں جنھیں زبان و ادب کی روح سے تعبیر کیا جاتا ہے جن کا تعلق فکر کی وسعت، نظر کی گہرائی ، زبان کی اثر انگیزی اور ادب کی لطافت سے ھوتا ہے۔ قرآن حکیم اقدار عالیہ کا مظھر کامل بھی ہے اور اسلوب قدیم کی خوبیوں کا جامع بھی قدیم شعراء و خطباء کے کلام میں بلاغت کا یہ معیار نہ تھا کہ اس میں ھر جگہ جلی ربط اور مناسبت موجود ھو ان کے یہاں حذوف اور ایجاز بہت عام تھا،وہ ایک بات کے بعد دوسری بات اس کی دلیل یا مثال یا اس کے نتیجے یا اس کی تکمیل اور استدراک کے طور پر لاتے تو اس رابطہ کو ظاھر کرنا ضروری نہ سمجھتے تھے۔ان کا ذوق یہ تھا کہ ذھن جس قدر محذوفات کی تلاش میں رھے گا اسی قدر لطف حاصل ھوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک قدیم ادب کے ذوق کا غلبہ رھا مفسرین کے یہاں آیات اور سورتوں کے مضامین میں باھمی ربط کی وجوہ پر گفتگو کرنے کا رجحان ناپید تھا ۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن نے جن لوگوں کو اول اول مخاطب کیا وہ نزول آیات کے اسباب اوَر تاریخی پس منظر ، حالات اور

مسائل سے پوری طرح باخبر تھے ۔ لطیف سے لطیف اشارات و کنایات کو سمجھنا ان کے لئے دشوار نہ تھا ۔ ہر آیت کے محل اور مصداق تک پہنچ جاتے تھے ۔ صحابہ کرام ، تابعین اور تبع تابعین کے عہد تک ایسے ہی حالات رہے ۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے آخر تک کسی ادیب اور مفسر نے مناسبات آیات کے اظہار کی ضرورت محسوس نہ کی مگر پھر یہ صورت باقی نہ رہی۔ایک طرف اسباب نزول کی تفصیلات محفوظ نہ رہ سکیں (۱۴) اور اس کے نتیجہ میں کلام کی مخفی کڑیوں سے عدم واقفیت بڑھی اور اشکالات کا موجب ہوئی تو دوسری طرف عجمی علوم و فنون کے تراجم ہوئے جس سے تصنیف و تالیف کے فن میں تنوع پیدا ہوا اور نئے نئے انداز داخل ہوئے۔

ادب و زبان کے اسلوب اور تنقید کے اصول بدلے تو قرآن حکیم میں محاسن کی تلاش اجزاء کے ساتھ کل کی روشنی میں بھی ہونے لگی اور آیات اور سورتوں میں باہمی مناسبات و روابط اور ان کے مجموعی سلسلہ پر غور و فکر کرنے سے دلچسپی پیدا ہوئی ۔

چوتھی صدی ہجری کے ربع اول کے ایک محقق شیخ ابوبکر نیشاپوری ۳۲۶ھ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے آیات اور سورتوں میں مناسبات سے متعلق سوالات اٹھائے اور ان میں باہمی وجوہ اور حکمتوں پر بحث کا دروازہ کھولا اور اس جدید نہج سے قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے پر زور دیا اور آپ اہل عراق کی اس علم سے غفلت برتنے کی شکایت فرمایا کرتے تھے (۱۵) ۔ اسی صدی کے آخر میں ابو الفرح احمد بن مقری ہمدانی ۴۰۰ ھ نے اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب علم المناسبة کے نام سے تصنیف کی (۱۶) ۔ پانچویں صدی میں امام عبد القاهر جرجانی ۴۷۱ ھ نے دلائل الاعجاز لکھ کر ثابت کیا کہ بلاغت کلام کا اصل مرجع نظم کلام کے خصائص میں ہے۔ پھر چھٹی صدی ہجری کے دو ممتاز مفسرین نے

اس فکر کو وسعت دینے میں خاص توجہ دی۔ان میں سے ایک امام جار اللہ زمخشری ۵۳۸ھ ہیں جنھوں نے مناسبات آیات کو بلاغت قرآنی کا جزو قرار دیا اور اس کے مخفی پہلوؤں کو اپنی کتاب تفسیر الکشاف میں بیان کیا (۱۷) ۔ دوسرے محقق قاضی ابوبکر ابن العربی ۵۴۳ھ ہیں جو علم مناسبہ کو عظیم علم قرار دیتے ہیں ۔ اور وہ پہلے مفسر ہیں جو آیات میں اس درجہ ربط اور پیوستگی کے قائل ہیں فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم کل ایک کلمہ واحدہ کی مانند ہے جس میں آیات باہم وحدت بسیطہ کی طرح مربوط ہیں (۱۸) ۔ مگر مناسبات کی بحث کو سب سے زیادہ پیش رفت اور اہمیت امام فخر الدین رازی ۶۰۶ھ کی تفسیر مفاتیح الغیب سے حاصل ہوئی جس میں نظم اور روابط آیات پر خصوصی توجہ دیگئی ہے اور جملوں کی تقدیم و تاخیر صیغوں کے اختلاف، الفاظ کے وصل اور فصل کے ذرا ذرا سے فرق سے بے شمار اسرار و رموز بے نقاب کئے ۔ امام رازی پہلے امام ہیں جو ترتیب اور نظم آیات کو الفاظ و معانی کی طرح معجزہ قرار دیتے ہیں ان کا خیال ہے کہ جو لوگ قرآن کے اسلوب (۱۹) کو معجزہ مانتے ہیں اس سے ان کی مراد ترتیب اور نظم آیات ہی کا اعجاز ہے۔امام رازی اپنے پیش رو امام نیشاپوری کی طرح اپنے عہد کے مفسرین کی ملامت کرتے ہیں جو اپنی تنگیٔ نظر کے سبب اس علم کی قدر شناسی سے قاصر ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس باب میں اصل صورت حال کسی شاعر کے اس شعر کے مطابق ہے :

والنجم تستصغر الابصار رویته والذنب للطرف لا للنجم فی الصغر(۲۰)

حضرت امام رازی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ قرآن حکیم کے اکثر لطائف اس کی ترتیبات اور روابط میں ودیعت ہیں ۔

اس موضوع پر دوسری اہم تصنیف آٹھویں صدی ھجری کے شیخ ابو جعفر بن زبیر غرناطی ۷۰۸ھ کی ہے جس کا نام"ابرھان فی

مناسبة ترتیب سور القرآن" (۲۱) ہے مگر اسی فن پر لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے اہم کتاب نویں صدی کے امام برھان الدین بن عمر البقاعی ۸۸۵ھ کی ہے جس کا نام ,, نظم الدرفی تناسب الای والسور" ہے مصنف نے اس کتاب کی تصنیف پر ۱۴ سال صرف کئے تھے ۔ ڈاکٹر مصطفی صادق الرافعی کے مطابق اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب تصنیف نہیں کی گئی ۔ اسے وہ اسرار قرآن کا محیر العقول خزانہ قرار دیتے ہیں (۲۲) اسی صدی میں ہمیں برصغیر میں علامہ علاؤ الدین مہائمی کا نام ملتا ہے جنھوں نے مناسبات آیات ھی کے موضوع کو پیش نظر رکھ کر مکمل تفسیر قرآن مرتب فرمائی اور اس کا نام ,, تبصیر الرحمان وتیسر المنان" رکھا ۔ علامہ مہائمی نے اپنی تفسیر میں یہ التزام بھی فرمایا کہ ہر سورت سے پہلے آیت بسم اللہ کی تفسیر میں اس سورت کے مرکزی مضمون کو اجمالاً بیان کر دیا ہے اپنی اس خصوصیت کے لحاظ سے یہ تفسیر بے مثل ہے جیسا کہ حضرت مہائمی خود فرماتے ہیں کہ انھوں نے اپنی تفسیر میں ربط کلمات ، نظم اور ترتیب آیات کے متعلق ایسے نکات اور لطائف جمع کر دیئے ہیں جو ان سے پہلے کسی کی دسترس میں نہ آسکے تھے ۔ اللہ تعالی نے ان پر خاص احسان فرمایا اور انھیں یہ توفیق بخشی کہ نظم قرآن کے مخفی گوشوں کو ظاھر کریں اور ان کے جمال اور اعجاز کو آشکار کریں (۲۳) ۔

دسویں صدی ھجری میں حضرت علامہ جلال الدین سیوطی ۹۱۱ ھ نے اس علم کی طرف خاص توجہ دی اور اس علم نے جو وسعت ان کے عہد تک اختیار کی تھی اسے سمیٹنے کی اھم خدمت انجام دی اس موضوع پر پہلے انھوں نے اسرار التنزیل لکھی پھر مناسبات سور پر علیحدہ ایک کتاب ,, تناسق الدر فی تناسب السور" تحریر کی ,, الاتقان فی علوم القرآن" میں بھی ایک مستقل باب اسی

موضوع سے متعلق ہے جس میں مناسبات اور ارتباط آیات کے وجوہ اور اسباب کے متعلق اهم اور مفید ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔

اس صدی کے دو اور مفسرین خاص شہرت رکھتے هیں ایک مصر کے حضرت شمس الدین محمد بن الشربینی ۹۷۷ ھ هیں جنکی تفسیر السراج المنیر ہے اور دوسرے حضرت ابو السعود حنفی ۹۸۲ ھ هیں ان دونوں بزرگوں نے اپنی تفاسیر میں ارتباط آیات پر خاص توجہ دی ہے۔

ان مفسرین کرام کے بعد هماری نظر، برصغیر پاک و هند کے عظیم محقق امام الهند حضرت شاہ ولی اللہ پر رکتی ہے جنھوں نے مناسبات اور نظم قرآن پر اصولی بحث اپنی نادر الوجود تصنیف الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں پیش کی ہے اور مناسبات کے سلسلہ میں آپ کا موقف ابن العربی اور امام فخر الدین رازی سے مختلف ہے چنانچہ آپ فرماتے هیں ,, کہ قرآن مجید جس دور میں نازل هوا اسی دور کی تصنیفی نکتہ سنجیوں اور تالیفی نزاکتوں کی رعایت اس میں کی گئی ہے ، قرآن مجید میں ادباء متاخرین کے ادبی رجحانات اور تصنیفی قیود و شرائط کی تلاش بے سود ہے کسی کتاب کے ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے اور ایک جملہ کا دوسرے جملہ سے ایک باب کا دوسرے باب سے ظاهری ربط اور کھلی هوئی مناسبات کا پایا جانا عہد جاهلی یا قدیم عرب کے یہاں بلاغت کا جزو اعظم نہیں سمجھا جاتا تھا یہ شرطیں اور کتاب میں ادب کی یہ قدریں ادباء متاخرین کی پیدا کردہ هیں ۔ قرآن کے مخاطب اول عرب قدیم هیں ، انداز بیان میں ان کی رعایت کی گئی ہے ، اس لئے آیات قرآنی میں هر جگہ ظاهری ربط اور کھلی هوئی مناسبت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ پھر آپ یہ سوال قائم کرتے هیں کہ ,, اگر پوچھا جائے کہ قرآن مجید میں ان مطالب و مفہوم کو بیان کرتے هوئے ربط و

ترتیب کا پورا پورا لحاظ کیوں نہ کیا گیا ،، اس کے جواب میں آپ فرماتے ھیں ”کہ اگرچہ خداوند تعالی کی قدرت کاملہ سے یہ کوئی بعید بات نہ تھی لیکن موجودہ اسلوب کے مطابق قرآن کو مرتب و مربوط نہ پیش کرنے میں ایک حکمت ہے اور وہ یہ کہ اسلوب بیان، ادب و زبان میں ان کی رعایت مطلوب تھی جو قرآن کے مخاطب اول تھے“ (۲۴) پھر آگے چل کر شاہ صاحب اس شبہہ کا بھی ازالہ کرتے ھیں کہ کیا قرآنی تعلیمات کو ایسے اسلوب میں پیش کرنا بہتر نہ ہوتا کہ بعد کے ادوار میں اس کی بلاغت متاثر نہ ھو آپ فرماتے ھیں کہ ,, شریعت کے اسرار و رموز کو جاننے والا اس بات سے واقف ہے کہ انسانوں کی تربیت میں کون کون سی چیزیں بیان کرنی چاھئیں ساتھ ھی علوم پنجگانہ پر بھی اس کی نظر ھو تو یقیناً اسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ قرآن میں ان علوم کو پیش کرنے کا جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس سے بہتر اور معیاری طریقے کا انتخاب ممکن نہ تھا،،(۲۵) پھر آگے چل کر ، آپ یہ وضاحت بھی فرماتے ھیں کہ ,, قرآن کا اسلوب شروع سے آخر تک مکتوب یا پیغام کا سا انداز رکھتا ہے (۲۶)

شاہ ولی اللہ کے بعد آپ کے فکر کی ترجمانی آپ کے فرزند شاہ عبدالعزیز ۱۲۳۹ھ نے کی ، اتباع شاہ ولی اللہ میں انھیں نظم اور ارتباط آیات سے خاص نسبت حاصل ہے۔ شاہ عبد العزیز کی فارسی زبان میں تفسیر فتح العزیز لطائف و ظرائف اور ربط آیات کا اعلی مخزن قرار دیجاتی ہے (۲۷) ۔

اسی صدی میں بغداد کے مشہور عالم محمود آلوسی حنفی ۱۲۷۰ھ نے اپنی تفسیر روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ،، مرتب فرمائی جو تیس جلدوں پر مشتمل ہے اور سابقہ تفاسیر کے اھم مباحث کی جامع ہے ، نظم و ارتباط کو بھی بہترین عبارت

میں بیان کرنے پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ علامہ نے یہ کوشش فرمائی ہے کہ آیت سے متعلق کوئی علمی گوشہ تشنہ نہ رہے۔

جدید مصر کی تفسیر سے متعلق تصانیف میں ایک نیا رنگ ابھرا ہے جسے ہم ادبی اور اجتماعی اسلوب کا نام دے سکتے ہیں اس طرز تفسیر کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ اس میں پرکشش انداز میں ان مطالب و معانی پر توجہ دی گئی ہے جو قرآن کا اصلی مقصود اور نصب العین ہے پھر عالم انسانیت کے اجتماعی اور عمرانی مسائل پر قرآنی نصوص کا انطباق کیا گیا ہے۔شیخ محمد عبدہ کو اس تفسیری مکتب فکر کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے (۲۸)۔ آپ کے تفسیری لیکچروں کو آپ کے شاگرد علامہ رشید رضا قلمبند کرتے تھے اور المنار میں شائع کرتے تھے۔ یہ سلسلہ سورۃ النساء تک ہی پہونچا تھا کہ محرم ۱۳۲۳ھ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ شیخ نے نظم قرآن سے متعلق محیر العقول حقائق کا انکشاف فرمایا اور ایسے اصول وضع فرمائے جس سے تفسیری رجحانات میں قابل قدر تبدیلی پیدا ہوئی۔ آپ کے منہاج کو آپ کے شاگرد رشید رضا ۱۳۵۴ھ اور محمد مصطفی مراغی ۱۳۳۵ھ نے اپنی تفاسیر میں بڑی خوبی سے اپنایا۔ اس فن میں مکتبہ دیوبند کی درج ذیل چار اہم شخصیتوں نے اصولی خدمات انجام دیں ہیں۔

۱۔ شیخ الحدیث مولانا انور شاہ کشمیری (۱۳۵۳ھ) جنھوں نے مناسبات کی بعض دقیق اور مشکل وجوہ کا حل تلاش کیا اور اہم نکات کا اضافہ کیا۔ ابن العربی اور امام رازی کی طرح آپ قرآنی مفردات، ترتیب، ترکیب اور حقائق و مقاصد سب ہی وجوہ سے قرآن حکیم کے اعجاز کے قائل ہیں (۲۹)۔اپنے موقف کی تائید میں آپ نے مشکلات القرآن تحریر فرمائی جسے آپ کے شاگرد مولانا یوسف بنوری نے کچھ اضافہ کے ساتھ ,,یتمیۃ البیان لمشکلات القرآن،، کے

عنوان سے ادارہ مجلس علمی کی طرف سے شائع کیا ۔
۲ ۔ مولانا اشرف علی تھانوی ۱۳٦۲ھ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں روابط آیات و سور کو خاص اھمیت سے پیش کیا اور اس خاص موضوع پر آپ نے اردو میں ,, سبیل النجاح ،، (۳۰) اور عربی میں ,,سبق الغایات فی نسق الآیات ،، کے عنوانات سے دو رسالے تحریر فرمائے اور سورہ فاتحہ سے لیکر سورہ الناس تک الگ الگ فصلوں میں ارتباط آیات پر ماخذ کے حوالوں کے ساتھ نافع اور مختصر گفتگو کی ہے۔ آپ نے حکمت، لطائف اور معارف کے اتھاہ سمندر میں غواصی کرکے اس سے بیش بہا موتی حاصل کئے اور دوسروں کو بھی معرفت اور استنباط کا سلیقہ سکھایا ۔ آپ کے خلیفہ مفتی محمد شفیع نے معارف القرآن اور مولانا ادریس کاندھلوی نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں آپ ھی کے نہج اور اصولوں کی روشنی میں مناسبات اور روابط کی بحثوں کو آگے بڑھایا اور انوکھی توجیہات اور نکات کا اضافہ فرمایا ۔
۳ ۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی ۱۳٦۵ ھ جو حکمت ولی اللھی کے امین تسلیم کئے جاتے ھیں، آپ نے قرآن حکیم میں نظم کے مسئلہ پر چالیس سال تک غور فرمایا آپ فرماتے ھیں کہ ,, میں نے شاہ ولی اللہ کی حکمت کی روشنی میں قرآن مجید کے چند مقاصد معین کئے ھیں پھر ان کے پیش نظر ھر سورت کے ایک خاص مرکزی مضمون کا تعین کیا ہے اور اس طرح سورتوں میں تسلسل قائم کرنے میں کامیاب ھو سکا ھوں (۳۱) ۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے امالی تفسیر القرآن ھم تک آپکے دو شاگردوں کے ذریعہ پہنچے ۔ آپ کے ایک شاگرد عبداللہ لغاری ھیں جو جزء عم کی تفسیر مسمی ”المقام المحدود“ کے جامع ھیں آپ کے دوسرے شاگرد رشید موسی جار اللہ ھیں جنھوں نے آپ کے امالی تفسیر القرآن مرتب کئے ھیں اس کا ایک جزء جو سورہ

فاتحه اور سوره بقره پر مشتمل ہے"الهام الرحمن فی تفسیر القرآن"کے عنوان سے مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کی تحقیق اور عنایت سے حیدر آباد سے شائع ہوا ہے۔ موسیٰ جار اللہ نے نظم قرآن کے سلسلہ میں "ترتیب السوره الکریمه فی النزول والمصاحف"لکھی ہے جو بھوپال بھارت سے شائع ہوئی۔ مولانا عبید اللہ سندھی کے تفسیری کام پر ڈاکٹر منیر احمد مغل نے تحقیقی مقالہ لکھ کر جامعہ سندھ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔

۴۔ مولانا حسین علی (متوطن واہ بھچراں میانوالی ، پنجاب) نے چالیس سال سے زائد عرصہ تک تفسیری موضوعات پر غوروفکر فرمایا۔ آپ کے تفسیری امالی آپ کے شاگرد محمد نذر شاہ عباسی اور مولانا غلام اللہ خان نے مرتب کئے۔ ربط آیات و سور پر آپ کو خصوصی امتیاز اور مہارت حاصل ہے اسی موضوع پر آپ کی یاد گار تصنیف"بلغة الحیران فی ربط آیات الفرقان"ہے جس میں اول سورہ سے آخر تک، علیحدہ علیحدہ ارتباط اور تناسب پر سیر حاصل بحث پیش کیٔ گئی ہے اور نظم قرآن کی بحث میں ایک قابل قدر اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کی تفسیر جواهر القرآن جسے آپ کے شاگرد غلام اللہ خاں نے مرتب کیا ہے حال ھی میں اس کا ایک جزء شائع ہوا ہے۔

اکابرین دیوبند کی ان اهم شخصیات کے علاوہ اسی مکتبہ فکر سے فیض یاب بعض دوسرے اصحاب نے بھی اس موضوع پر کام کیا ہے جن میں صوبہ سرحد ضلع مردان کے مولانا محمد طاهر مصنف"سمط الدر فی ربط الایات والسور و خلاصتها المختصر لمن اراد ان یتذکر او یتدبر"اور مولانا عبد السلام بن عبدالرؤف مصنف"تنشیط الاذهان و مقدمه التبیان فی اصول تفسیر القرآن"قابل ذکر هیں۔

برصغیر ھندو پاک کی ماضی قریب کی ایک اور شخصیت مولانا حمید الدین فراھی (۱۳۴۹ھ) ھیں جو نظم قرآن کے ماھر اور محرم راز تسلیم کئے جاتے ھیں ۔ انھوں نے اپنی عمر عزیز کے چالیس سال پوری جانفشانی کے ساتھ تدبر قرآن پر صرف کئے اور وہ اپنے عمیق مطالعہ، عبقریت اور ذھانت کی بنا پر اپنے بہت سے معاصرین پر سبقت رکھتے ھیں ۔ مولانا کا عقیدہ ہے کہ قرآن حکیم کی ھر سورہ کا ایک عمود یا مرکزیٔ مضمون ہے جو مطالب سورہ کی شیرازہ بندی کا کام دیتا ہے اس کے تمام مضامین کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے اور تمام بکھرے ھوئے موتیوں کو جمع کرکے ان سے ایک خوبصورت ھار تیار کر دیتا ہے۔ عمود کا سررشتہ پوری سورت کو کثرت مضامین کے باوجود ایک وحدت میں تبدیل کر دیتا ہے ۔ مولانا فراھی قرآن فہمی کے سلسلہ میں ربط اور نظام کو شاہ کلید کی حیثیت دیتے ھیں ۔ اپنے موقف کی وضاحت کیلئے آپ کی مشہور تصانیف یہ ھیں، تفسیر نظام القرآن ، جس کے مقدمہ کے طور پر فاتحہ نظام القرآن کو شامل کیا ، ربط و مناسبت کے اصولوں کی وضاحت کیلئے دلائل النظام، اسالیب پر ایک مستقل رسالہ اسالیب القرآن لغت سے متعلق مفردات القرآن ، قرآن کے طرز استدلال پر ''حجج القرآن'' اور اصول تفسیر پر ''التکمیل فی اصول التاویل اور تاویل الفرقان بالفرقان'' لکھا (۳۲) ۔ افسوس ہے کہ مولانا فراھی کی عمر نے وفا نہ کی اور اپنی اکثر تصانیف کی تکمیل نہ فرما سکے ۔ آپ کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی نے نظم قرآن کی بحث کو ایک قدم اور آگے بڑھایا ۔ مولانا اصلاحی نے قرآن کی جملہ سورتوں کو سات گروہوں میں تقسیم کیا ہے اور ھر گروپ کی تشکیل اس طرح ہے کہ اس کے آغاز میں ایک یا ایک سے زائد مکی سورتیں ھیں اور ھر گروپ کا اختتام ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر ھوتا ہے۔ اس طرح مکی اور مدنی سورتوں سے مل کر

ایک گروپ بن جاتا ہے مولانا موصوف قرآن کی مجموعی سورتوں کوبھی سات گروپوں میں تقسیم کرتے ھیں ان میں ہر گروپ کا اپنا ایک مرکزی مضمون ھوتا ہے جسے وہ علامہ فراھی کی طرح عمود کا نام دیتے ھیں ۔ ان کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ ھر گروپ کے مرکزی مضمون کے دو رخ ھیں ایک رخ مکی سورتوں میں بیان کیا گیا ہے اور دوسرا مدنی سورتوں میں ، اس طرح دونوں مل کر مرکزی مضمون کی تکمیل کرتے ھیں ۔ مولانا کا موقف یہ ہے کہ مختلف سورتوں میں مختلف اصولی باتوں پر آفاقی، انفسی اور تاریخی دلائل و شواھد کا بیان ہے ، یہ دلائل نہایت حکیمانہ ترتیب کے ساتھ بیان ھوئے ھیں، نظم و ترتیب اور کلام کے منطقی تسلسل سے صحیح واقفیت کے بغیر دین و اخلاق کے اجزا کے باھمی ربط کو سمجھنا دشوار ہے اسی طرح تاویل کے اختلاف کو رفع کرنے کیلئے سب سے اھم چیز عبارت کے سیاق و سباق اور نظام کی معرفت ہے۔ اگر سیاق اور نظم کو ملحوظ رکھا جائے تو اکثر مواقع پر ایک ھی قول اور ایک ھی توجیہ کے سوا دوسرے کی گنجائش نہیں نکل سکتی ۔ مولانا اصلاحی کی تفسیر ,,تدبر قرآن،، ارتباط اور نظم کے باب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

تاریخی مطالعہ کا حاصل :

علم مناسبۃ اور نظم کی ارتقائی تاریخ کے مطالعہ سے چند اھم نکات ابھر کر سامنے آئے ھیں :

اول یہ کہ قرآن حکیم کا اسلوب قدماء عرب کے طرز نگارش اور نہج کے مطابق ہے مگر وہ بیان و بلاغت کی اعلی ترین سطح اور ذوق کا نمونہ ہے اور تاثیر نفوس اور سحر طرازی کا ایسا معیار پیش کرتا ہے جس سے اھل عرب واقف نہ تھے ۔ وہ لغت عربی کے مفردات کے موجد ضرور تھے بہت سے معاجم ان کے پاس تھے مگر وہ معجم ترکیبی نہ رکھتے تھے ۔ قرآن حکیم نے لغت کی تراکیب کو ایجاد کیا

اور عربی زبان و ادب کو قرآنی اسلوب کی صورت میں ایسا معجم ترکیبی میسر آیا جو تمام فنون بلاغت کی اصل قرار پایا (۳۳) ۔

ثانیاً یہ کہ تمام فصحاء عرب، کافر اور مومن سبھی نے قرآنی بلاغت کو تسلیم کیا اور اپنے اعجاب، حیرت اور شدید تاثر کا اظہار کیا ۔ عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ سرداران کفار میں سے اور اھل اسلام میں سے اشعر الشعراء لبید پھر بعد کے فصحاء میں سے ابن مقفع، عبدالحمید کاتب، سھل بن ھارون، الجاحظ ابن العمید اور ابن قتیبہ سب نے قرآن کی عظمتً اور جلالت اسلوب کا اقرار کیا اور کسی کو نظم اور ارتباط کا کوئی اشکال لاحق نہ ھوا ۔

ثالثاً یہ کہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے عہد سے لیکر تیسری ھجری کے آخر تک قرآن کے فہم اور اس کے بلاغی معیار کی تحسین کیلئے شعر اور کلام عرب کی طرف رجوع کرنے کا ذوق عام تھا جس کا آغاز حضرت عبداللہ بن عباس سے ھوا تھا (۳۴) ۔ شروع میں بڑی توجہ الفاظ اور جملوں کی ترکیب کی طرف رھی اور معانی القرآن ، غریب القرآن، لغات القرآن اور المصادر فی القرآن جیسے موضوعات پر تصانیف کا دور رھا، پھر اسلوب قرآن، جملوں کے معنوی نظم اور الفاظ کے معنوی روابط سے دلچسپی بڑھی اور مجاز القرآن، نظم القرآن اور مشکل القرآن جیسی تصانیف وجود میں آئیں ۔ تیسری صدی کے آخر میں ھمیں مقدمہ تفسیر الطبری کی صورت میں ان ساری کوششوں کے نتائج یک جا مل جاتے ھیں ۔ اس عہد تک قرآن کے بلاغی مباحث کا دائرہ بڑی حد تک الفاظ ، جملوں کی ترکیب مفرد مضامین کی لفظی اور معنوی خوبیوں تک محدود رھا ہے ۔ ارتباط مضامین نظم اور مناسبات آیات و سور پر گفتگو کرنے کی طرف انھوں نے توجہ نہ کی ۔

رابعاً تیسری صدی ھجری کے بعد جب آیات اور سورتوں میں نظم اور مناسبات سے متعلق گفتگو کا آغاز ھوا تو اس بحث سے

شغف اور دلچسپی ان حلقوں میں زیادہ بڑھی جن کی نہاد عجمی تھی اور جو کلام کے منطقی تسلسل اور نظام کی باریکیوں اور اسرار و حقائق سمجھنے کی طرف زیادہ مائل تھے، اور چونکہ ان سارے مباحث کی بنا توقیفی علم پر نہ تھی بلکہ اجتہاد اور قیاس پر مبنی تھی اس لئے دوسری بحثوں کی طرح تعبیر کے معاملہ میں بھی اہل علم نے الگ الگ موقف اور مسلک اختیار کر لئے جن کے تین مکاتیب فکر ابھر کر سامنے آتے ہیں، ایک مکتبہ فکر تو یہ ہے کہ آیات و سور میں نظم اور مناسبات کی تلاش ہی لاحاصل ہے ہر آیت مفرد اور مستقل مضمون رکھتی ہے (۳۵) ۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جس طرح کائناتی تخلیق اور قدرتی مناظر میں کوئی ترتیب قائم نہیں ہے، کہیں ناہموار پہاڑ ہیں تو کہیں میدان، کہیں اونچی نیچی وادیاں ہیں تو کہیں ندی نالے ، کہیں سرسبز جنگلات ہیں تو کہیں لق و دق ریگستانی سلسلہ ان سب کی بے ترتیبی میں ایک حسن ہے ، قرآن حکیم کا حسن و جمال بھی آیات اور سورتوں کی مستقل حیثیت اور انفرادیت میں ہے ، اجزاء کا انفرادی کمال بھی تکمیل حسن کی ایک صورت ہوتی ہے اور بعض جگہ تغایر اور تضاد بھی تخلیق حسن کا باعث ہوتا ہے اور جلالت مضمون کیوجہ سے پسندیدگی اور دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ غالباً مفسرین کرام کا بہت بڑا طبقہ جس نے نظم اور مناسبات سے تعرض ہی نہیں کیا اسی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا مکتبہ فکر ان اصحاب کا ہے جو نظم اور مناسبہ کی تحقیق اور جستجو کی ستائش کرتے ہیں وہ نظم کی لطافت اور رموز کی اہمیت کو بھی تسلیم کرتے ہیں مگر وہ پورے قرآن میں ہر جگہ نظم اور ارتباط کو لازمی جز قرار دیتے ہیں نہ اسے اعجاز قرآن کا حصہ تسلیم کرتے ہیں ، بلکہ ان کا موقف یہ ہے کہ قرآن حکیم کے اسلوب میں ادب قدیم کی رعایت رکھی گئی ہے اور قدماء عرب کے ادب میں

مضامین کے مابین نظم و ربط ہر جگہ ضروری نہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس موقف کی حمایت کرنے والوں میں شیخ العز بن عبدالسلام (٣٦) ٦٦٠ ھ شیخ ولی الدین ملوی ابو العلاء محمد بن غانم اور حضرت شاہ ولی اللہ جیسے حضرات شامل ھیں۔

تیسرا مکتبہ فکر یہ ہے کہ قرآن حکیم شروع سے آخر تک باھم مربوط ہے مضامین و مطالب کی بوقلمونی و گوناگونی کے باعث قرآنی اسلوب و انداز میں تغیرات پائے تو جاتے ھیں مگر تعبیر و بیان کا ایک ھی طریقہ رھتا ہے جو کبھی شدت اختیار کر لیتا ہے اور کبھی نرم ھو جاتا ہے۔ گاھے مفصل ھوتا ہے اور گاھے مجمل، یہ تبدیلیاں مخاطبین کے حسب حال ھوتی ھیں مگر ہر جگہ جلی یا خفی نظم کا ایک سلسلہ ضرور ھوتا ہے۔ اس فکر کے بعض اصحاب قرآن میں اس درجہ نظم اور ربط کے قائل ھیں کہ انھیں قرآن مجید وحدت بسیطہ اور ھیئت موحدہ کی حامل کتاب نظر آتی ہےان کا موقف یہ ہے کہ مصحف کی موجودہ ترتیب، توقیفی ہے اور لوح محفوظ کے عین مطابق ہے۔ ترتیب نزولی اور ترتیب کتابت کا فرق اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آیات قرآنی میں باھمی نظم موجود ہے۔ ان کے نزدیک نظم کا سمجھ لینا ھی قرآن حکیم کی شاہ کلید کو پالینا ہے جس کے ذریعہ اس کے تمام دروازے کھل جاتے ھیں اور اسرار اور معارف کی بارش ھونے لگتی ہے۔ قاضی ابوبکر ابن العربی ٥٤٣ھ پہلے امام ھیں جو اس عقیدے کے مدعی ھوئے کہ قرآن حکیم کل ایک کلمہ واحدہ کے مانند ہے۔ امام فخر الدین رازی نے آگے بڑھکر اسلوب قرآن کے اس پہلو کو بھی اعجاز کا حصہ قرار دیا ۔ امام علاء الدین مھائمی (٨٣٥ھ) ابو السعود حنفی (٩٨٢ھ) نے اپنی تفاسیر سے امام رازی کے فکر کی آبیاری کی ، بعد کے فضلاء بھی اسی فکر کو وسعت دیتے رھے ۔ چودھویں صدی ھجری کے فضلاء کی غالب اکثریت اسی مکتبہ فکر

کی حامل ہے جن میں شیخ محمد عبدہ، رشید رضا، محمد مصطفی مراغی، انور شاہ کشمیری، عبیداللہ سندھی، مولانا اشرف علی تھانوی اور حمید الدین فراہی قابل ذکر ھیں (۳۸) ۔

آخر الذکر حمید الدین فراھی نے اپنی عمر عزیز کا بڑا حصه قرآن حکیم کے عمیق مطالعه میں صرف کیا اور قرآن میں نظم کے اثبات کیلئے گراں قدر تحقیقی ذخیرہ چھوڑا ۔ جس کی بنا پر یه کہا جا سکتا ہے که مولانا فراہیؒ کو اس خاص فکری میدان میں بہت سے علماء متاخرین پر نسبقت حاصل ہے۔

خامساً یه که جو حضرات قرآن حکیم میں نظم و ارتباط کے حامی ھیں. وہ پھر تحقیقِ ارتباط اور نظم کی تلاش کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ھیں ، پہلا گروہ ان اصحاب کا ہے جو ہر آیت کو اس کے ماقبل سے وابسته اور مربوط قرار دیتے ھیں اور پوری سورت کی آیات کو اسی نہج سے ایک لڑی میں پرو دیتے ھیں جو سب مل کر ایک حلقه کی شکل اختیار کر لیتی ھیں ۔ حضرت امام رازی سے لیکر ابو السعود حنفی تک متقدمین کی اکثریت نے اسی نہج کو اختیار کیا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی ، مولانا ابو الکلام، مولانا عبدالحق حقانی، مفتی محمد شفیع ، مولانا ادریس کاندھلوی ، مولانا مودودی ، مولانا عبدالماجد دریا بادی نےاسی طریقه کو اپنایا ہے

دوسرا وہ طبقه فکر ہے جو سورت میں ایک مرکزی مضمون ایک دعوی ایک جامع عمود تلاش کرتے ھیں پھر اس سورت کے تمام اجزاء کو اس سے وابسته قرار دیتے ھیں اس طریقه کا آغاز ولی الھی مکتبه فکر کے عمائدین سے ھوا جسے بعد میں مولانا حسین علی، (صاحب بلغة الحیران فی ربط آیات الفرقان) مولانا حمید الدین فراھی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے اور وسعت دی ۔

حوالہ جات و حواشی

۱ ـ جامع ترمذی، باب ماجاء فی فضل القرآن، مطبوعہ مصر، ص ۱۰۸

۲ ـ مناع خلیل قطان : مباحث فی علوم القرآن ، بیروت، ص ۹۱۷ .

۳ ـ صبحی الصالح ڈاکٹر مباحث فی علوم القرآن ، طبع ثانی ، جامعہ دمشق ۱۳۸۱ ھ ص : ۱۷۰

۴ ـ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن ، جلد دوم، ادارہ اسلامیات لاہور، ص ۲۷۰ ـ ۲۷٦ .

۵ ـ شاہ ولی اللہ دہلوی ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ، قرآن محل کراچی ، ص ۱۲ .

٦ ـ حفنی محمد شریف: مقدمہ بدیع القرآن ص : ۳۷

۷ ـ احمد امین ڈاکٹر ، ضحی الاسلام مجلہ ثانی ص ۱٦۱

۸ ـ شوقی ضیف ڈاکٹر ، البلاغۃ تطور و تاریخ ، مطبوعہ دار المعارف، مصر، ص ۵۸.

۹ ـ صبحی صالح ڈاکٹر ، علوم القرآن ، مطبوعہ مصر ص : ۳٦

۱۰ ـ محمد ابن اسحاق الندیم ، الفہرست مطبوعہ ص ٦۳

۱۱ ـ رضوان علی سید ڈاکٹر ، مقدمہ الفوائد فی مشکل القرآن لعز بن عبدالسلام . ص ٦۳ .

۱۲ ـ صبحی الصالح ڈاکٹر ، مباحث فی علوم علوم القرآن ، الطبعۃ الثانیہ دمشق ص ۳٦۰

۱۳ ـ محمد خلف اللہ احمد ڈاکٹر، مقدمہ ، اثر القرآن فی تطور النقد العربی، طبع ثانی ، دار المعارف مصر ص ۱۴ .

۱۴ ـ مناع خلیل القطان، مباحث فی علوم القرآن طبع ثانی بیروت ص ٦۷ . محمد ابن سرین حضرت عبیدہ سے قرآنی آیت کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو وہ فرماتے ہیں ، ,, اتق اللہ وقل سدادا ، ذہب الذین یعلمون فیما انزل اللہ من القرآن ،

۱۵ ـ مصطفی الصادق الرافعی ، اعجاز القرآن ص ۲۷۷ .

۱٦ ـ عبدالصمد الصارم الازہری ، تاریخ التفسیر ، انار کلی لاہور ، ص ۱۳۳

۱۷ ـ شوقی ضیف ڈاکٹر، البلاغۃ تطور و تاریخ ، مصر ص ، ۲۲۰

۱۸ ـ مناع خلیل قطان، مباحث فی علوم القرآن ص ۹۱۷

۱۹ ـ فخر الدین رازی ، تفسیر کبیر ، مصر الجزء الثانی ص ۵٦۴

۲۰ ـ ترجمہ : آنکھوں کو جو ستارے چھوٹے نظر آتے ہیں تو اس چھوٹے نظر آنے میں قصور آنکھوں کا ہے نہ کہ ستاروں کا ـ

۲۱ ـ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن جلد دوم ، ادارہ اسلامیات لاہور ، ص ۲٦۱۷ .

۲۲ ـ دکتور مصطفی الصادق الرافعی ، اعجاز القرآن ص ۲۷۷

DR. ZUBAID AHMED, Indias Contribution towards Arabic Literature .P. 14

۲۳ ـ علاء الدین بن احمد الشافعی المهائمی ۸۳۵ھ : تبصیر الرحمان وتیسر المننان ص ۲
۲۴ ـ شاہ ولی اللہ ، الفوز الکبیر ، مطبع سعیدی کراچی ص ۱۲
۲۵ ـ شاہ ولی اللہ ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۱۲
۲۶ ـ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۱۲
۲۷ ـ عبدالحی الحسنی ، الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند ص ۱۶۶
۲۸ ـ غلام محمد حریری ، تاریخ تفسیر و مفسرین استقلال پریس لاہور ص ۲۷۶
۲۹ ـ محمد یوسف بنوری ، یتیمۃ البیان لمشکلات القرآن ، مجلس علمی ، جمال پریس دہلی ، ص ۷۶
۳۰ ـ عبد الباری پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی ، جامع المجددین ، ہارڈنگ روڈ ، لکھنئو بھارت ،
ص ۸۱، اشرف علی تھانوی، سبق الغایات فی نسق الایات ، کتبخانہ اعزازیہ دیوبند : ص نمبر ۱
۳۱ ـ عبید اللہ سندھی : شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ، سندہ ساگر اکادمی لاہور ص ، ۹۶
۳۲ ـ محمد عنایت اللہ سبحانی ، مولانا حمید الدین فراہی ، البدر پبلی کیشنز، لاہور ص ۱۵۳ ـ ۱۶۸
۳۳ ـ مصطفی صادق رافعی ڈاکٹر ، اعجاز القرآن ، ص ۲۸۷
۳۴ ـ مناع خلیل قطان، مباحث فی علوم القرآن ، دار المعارف ، مصر ص ۹۸
۳۵ ـ محمد تقی عثمانی علوم القرآن، مکتبہ دار العلوم کراچی ص ۲۶۶
۳۶ ـ مناع خلیل قطان ، مباحث فی علوم القرآن بیروت ص ۹۸
۳۷ ـ محمد ولی نعمانی : قرآنی آیتوں کا ربط شاہ ولی اللہ کی نظر میں » الرحیم « ستمبر ۱۹۶۶
شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، ص ۳۱۰ .